ایک شعر ایک کہانی

مائل خیرآبادی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

جناب محمد اسحٰق مائل خیر آبادی (۱۹۱۰ - ۱۹۹۸) کی یہ کتابؔ ایک شعر ایک کہانی'' $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ سائز پر سب سے پہلے ۱۹۶۸ میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں مائل مرحوم نے اقبال کے ایک شعر:

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کا سہارا لے کر نئی نسل کو جس عظیم حقیقت سے آشنا کرنے کی کوشش کی ہے، وہ مائل مرحوم ہی کا اختصاص ہے۔ اس میں آپ دیکھیں گے کہ اقبال کے اس تلمیحی شعر کے مفہوم کو مرحوم نے کس حکمت کے ساتھ نوجوانوں کے ذہنوں میں انڈیل دیا ہے۔

مائل صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن انہوں نے اپنی کہانیوں اور شاعری کے ذریعے بچوں کی ذہن سازی اور صحیح نہج پر ان کی تربیت کا جو کام انجام دیا ہے، وہ ان کے لیے یقیناً صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز اس کی از سر نو ایڈیٹنگ اور انشا و املا کی درستی کرا کر $\frac{۲۳\times۳۶}{۱۶}$ سائز پر شائع کر رہا ہے، امید ہے کہ اس سے کتاب کی افادیت اور دل کشی میں اضافہ ہو گا۔

ناشر

ایک شعر ایک کہانی

ہمارے بھائی جان نہ تو کسی اسکول میں پڑھاتے ہیں اور نہ انہیں پڑھانے کا کوئی تجربہ ہی ہے۔ پھر بھی جب کبھی ہم ان سے کہتے ہیں کہ بھائی جان! اس لفظ کے معنی بتادیجیے، اس شعر کا مطلب سمجھا دیجیے تو اتنی اچھی طرح سمجھاتے ہیں کہ ہمیں بالکل یاد ہو جاتا ہے۔ ایک دن تو بھائی جان نے کمال ہی کر دیا۔ شوکت نہ جانے کہاں سے ایک شعر یاد کر لایا۔ اس نے وہ شعر ہم کو سنایا۔ لیکن شعر ہماری سمجھ میں خاک نہ آیا۔ ہم سب نے مشورہ کیا کہ چلیں بھائی جان سے اس کا مطلب سمجھیں۔ ہم سب بھائی جان کے پاس پہنچے۔ ہم نے کہا: "بھائی جان! السلام علیکم" انھوں نے جواب دیا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔" پھر کہنے لگے:

"کیسے آئے تم سب؟"

بھائی جان! ایک شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، بتادیجیے۔"

بھائی جان اُس وقت ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ کتاب انہوں نے بند کر دی۔ پوچھا: کیا ہے وہ شعر؟ ہم نے شوکت کو اشارہ کیا، اس نے شعر پڑھا:

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

بھائی جان نے شعر سنا۔ دو ایک بار خود پڑھا پھر ہم سب سے بار بار پڑھوایا۔ اس کے بعد بولے کہ "بھئی اس شعر میں ایک تلمیح ہے۔ تلمیح جانے بغیر اس شعر کا مطلب تم نہیں سمجھ سکتے۔"

"تلمیح کے معنی کیا ہیں بھائی جان؟" رشاد میاں نے پوچھا، بھائی جان نے جواب دیا کہ بھئی کسی عبارت کے اندر یا کسی شعر میں کوئی واقعہ چھپا ہوتا ہے، اسی کو تلمیح کہتے ہیں۔"

"واقعہ کے معنی کوئی سچی کہانی؟"

"ہاں شاباش محمود! واقعہ کے معنی سچی کہانی!"

کہانی کا نام سنا تو ہم سب بہت خوش ہوئے۔ "تو پھر جلدی سنایئے وہ کہانی!" ہم سب کی زبان سے ایک ساتھ نکلا اور پھر کہانی سننے کے شوق میں اس طرح کان لگا کر بھائی جان کی طرف دیکھنے لگے، جیسے ہمارا رواں رواں کان بن گیا ہو۔ بھائی جان نے ہمیں خاموش دیکھا تو اس طرح کہانی سنانے لگے:

ایک تھا بادشاہ۔ اس بادشاہ کا نام تھا چنگیز خاں۔ چنگیز خاں منگولیہ کا بادشاہ تھا۔"

"منگولیہ؟" اس نام پر ہم سب چونکے۔ حامد نے پوچھا: "بھائی جان! یہ منگولیہ کیا کسی ملک کا نام ہے؟"

"ہاں، دیکھو، ہمارے ملک کے اُتر کی طرف ہمالیہ پہاڑ ہے نا!"

"جی ہاں!"

"ہمالیہ پہاڑ کے اُس طرف یعنی اُتر میں ملک چین ہے۔ تم نے چین کا نام سنا ہے نا!"

”ہاں بھائی جان سنا ہے۔ میں نے تو چینی آدمی کو دیکھا بھی ہے۔“

رشاد میاں بول اُٹھے۔

”ارے بھئی رشاد میاں! تم نے کہاں دیکھا ہے چینی آدمی؟“

”دیکھیے تو بھائی جان! وہ جو نانا جان ایک بار گئے تھے نا! اپنے دانت بنوانے، تو وہ چینی ڈاکٹر ہی تو تھا۔ چپٹی چپٹی ناک تھی اس کی اور چھوٹا سا قد۔ ڈاڑھی مونچھ سب صفا چٹ۔“

رشاد نے چینی ڈاکٹر کے بارے میں ایسے بھولے پن سے بتایا کہ ہم سب کو ہنسی آ گئی اور بھائی جان بھی مسکرائے۔ پھر بولے ”بڑی اچھی یاد داشت ہے تمہاری رشاد میاں! سال بھر سے زیادہ ہو گیا نانا جان کو دانت بنوائے۔ تم کو اب تک یاد ہے۔ ماشاء اللہ! اچھا تو ہاں ملک چین کے اتر پچھّم میں جو ملک ہے، اسی کا نام منگولیہ ہے۔ منگولیہ کا دوسرا نام تاتار ہے۔

”ارے واہ!“ شوکت کی زبان سے اچانک اس طرح نکلا جیسے وہ چونک پڑا ہو۔ بولا ”بھائی جان تاتار کا نام تو اس شعر میں بھی آیا ہے۔ دیکھیے نا!

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

”ہاں! وہی تاتار۔ اب ذرا ایک بات اور سن لو جس طرح رام پور کے رہنے والوں کو رام پوری، الہ آباد کے رہنے والوں کو الہ آبادی اور خیر آباد کے رہنے والوں کو خیر آبادی کہتے ہیں۔ اسی طرح تاتار کے رہنے والے تاتاری کہلاتے تھے اور وہی منگولیہ کے نام پر منگول یا مغل کہلاتے ہیں۔“

”مغل؟“ شوکت مسکرایا اور اکبر بیگ کی طرف دیکھنے لگا، اکبر بیگ بھی اپنی

جگہ مسکرا رہا تھا۔ بھائی جان سمجھ گئے۔ وہ بھی مسکرائے، پھر بولے "ہاں بھئی، مغل قوم کے لوگ ملک منگول یا تاتار ہی سے یہاں آئے ہیں اور اب ان کے نام ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے اکبر بیگ، دلاور بیگ، انور بیگ اور فرحت اللہ بیگ وغیرہ۔ جس کے نام کے بعد لفظ "بیگ" ہو، وہ مغل ہی ہوتا ہے۔ سمجھے!"

جی ہاں! تو کیا وہ جو نام لیا تھا آپ نے بادشاہ کا، کیا نام تھا اس کا؟"

واہ رشاد میاں! اتنی جلدی بھول گئے اس کا نام۔ اس کا نام تھا چنگیز خاں۔ چنگیز خاں مغل قوم کا ہی بادشاہ ہوا ہے۔ تم لوگوں کو یہ بھی نہ معلوم ہوگا کہ چنگیز خاں اور اس کی قوم کے لوگ کس مذہب کے ماننے والے تھے؟" "کس مذہب کے؟" اکبر بیگ کہنے لگا "بھائی جان! مغل لوگ مسلمان ہوں گے۔ دیکھیے تو میں مغل ہوں اور مسلمان ہوں۔"

"نہیں بھئی! سات آٹھ سو برس پہلے مغل لوگ مسلمان نہیں تھے۔ ان کا مذہب دوسرا تھا۔ جیسے ہمارے ملک کے بہت سے لوگ دیوی دیوتاؤں اور چاند ستاروں کو پوجتے ہیں اسی طرح کا مذہب تھا مغلوں کا۔"

"تو پھر یہ مغل کب مسلمان ہوئے؟"

"یہی بات تو میں بتانے جارہا ہوں۔ مغلوں یعنی تاتاریوں کے مسلمان ہونے کی بڑے مزیدار، انوکھی اور نرالی کہانی ہے۔ سنے جاؤ۔ بیچ میں نہ بولو، نہیں تو بڑی دیر لگے گی۔

"اچھا کہیے اب ہم زیادہ نہیں بولیں گے" ہم سب نے یہ کہا اور چپ ہوگئے۔ بھائی جان نے کہانی آگے بڑھائی:

فتنۂ تا تار

”چنگیز خاں کو بڑا ارمان تھا کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ بن جائے۔ بس اسی شوق میں وہ تا تاریوں کی فوج لے کر نکلا۔ اس کی فوج میں لاکھوں سپاہی تھے اور سب کے سب بڑے ہی جنگ جو تھے یعنی لڑاکا اور بہادر۔ اچھا تو چنگیز خاں ہتھیاروں اور سامان سے لیس ہو کر چلا اور آس پاس کے ملکوں پر حملے کرنے لگا۔ دوسرے ملک کے بادشاہ اس سے لڑے مگر ہار گئے اور اسے اپنا بادشاہ مان لیا۔ اب چنگیز خاں آگے بڑھا۔ آگے مسلمان بادشاہوں کا سامنا ہوا۔ ان مسلمان بادشاہوں کے مسلمان فوجیوں نے خوب جم کر اس کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے ہزاروں تا تاریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن اللہ کی قدرت آخر میں تا تاریوں ہی کی جیت ہوئی۔ مسلمان بادشاہ بھی ایک ایک کر کے تا تاریوں سے ہار گئے۔ مسلمان ہار گئے تو تا تاریوں کا غصہ بھی ان پر خوب اترا۔ تا تاریوں نے سوچا کہ مسلمان باقی رہے تو ہمیں چین سے بیٹھنے نہ دیں گے اور ہو سکتا ہے کہ کبھی ہمیں ہرا دیں۔ تو بھائی! چنگیز خاں نے اپنی قوم کے فوجیوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو، قید کر لو، ان کا سامان لوٹ لو اور ان کی بستیوں میں آگ لگا دو۔ ارے توبہ! پھر تو مسلمان بستیوں پر ایسی تباہی آئی کہ ان کا جینا دوبھر ہو گیا۔ صرف یہی نہیں ہوا کہ مسلمان فوجیوں ہی کو مارا کاٹا گیا۔ ارے بھائی! ظالم تا تاریوں نے تو بچوں کو چھوڑا نہ بوڑھوں کو۔ وہ تو ایسے ظالم تھے کہ گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کو بھی پکڑ پکڑ کر ذبح کر ڈالا۔ بے چارے مسلمان گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ وہ اس آزمائش میں بھی پڑ گئے کہ اگر کوئی پوچھے تو اپنے کو مسلمان بتائیں یا چھپائیں۔ ایسی ہی مصیبت کو فتنہ کہتے ہیں جس میں کسی مسلمان کے لیے اپنا ایمان بچانا

مشکل ہو جائے۔ شوکت نے جو شعر پڑھا ہے اس میں ہے نافتنۂ تاتار۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان ایسی مصیبت اور پریشانی میں پڑ گئے کہ سوچنے لگے کہ کہاں بھاگ جائیں اور کہاں جا کر چھپیں کہ ایمان بچ جائے۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر کسی تاتاری نے سمجھ لیا کہ یہ آدمی مسلمان ہے تو بس قتل ہی کر دے گا۔"

"اُف فوہ! بھائی جان! ایمان تو مسلمانوں کو جان سے زیادہ پیارا ہوتا ہے؛ پھر وہ کیوں ایسے ہو گئے تھے؟"

"بات یہ ہے رشاد میاں! اس وقت مسلمانوں میں دو بڑی کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اول یہ کہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف بہت کم ہو گیا تھا۔ دوسری خرابی یہ کہ ان میں اتحاد بھی نہیں رہ گیا تھا۔ وہ خود آپس میں لڑ رہے تھے"

"تو پھر کیا جیتتے" شوکت کی زبان سے نکلا "جو آپس میں لڑتا ہے وہ دوسروں سے ضرور ہار جاتا ہے۔ ہے نا بھائی جان!"

"بے شک مسلمانوں میں یہ دو خرابیاں پیدا ہوئیں تو ان میں اور بہت سے عیب پیدا ہو گئے۔"

تم سب جانتے ہو کہ مسلمان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اللہ کو راضی کرے اور اس طریقے پر چلے جو پیارے رسول ﷺ نے بتایا ہے اور جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم چلے۔ جب تک مسلمان اللہ کو خوش کرتے رہے اچھے کام کرتے رہے تو اللہ نے ان کی مدد کی اور وہ ساری دنیا پر چھا گئے۔ پھر جب اللہ کی خوشی کے بدلے من مانی کرنے لگے تو ان میں خود غرضی آئی اور وہ آپس میں لڑنے لگے۔ اب اللہ اور رسول کی مرضی الگ رہی۔ اب تو یہ تھا کہ کس طرح اپنا بھلا ہو۔ بس اسی خود غرضی نے انہیں تباہ کیا۔ ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور جب ان میں پھوٹ پڑ گئی تو اس وقت کے تاتاریوں نے

خوب خوب ان کو دبایا اور دباتے چلے گئے۔ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سزا دینے کے لیے ایک خوں خوار قوم کو ان کے پیچھے لگا دیا۔ پھر تاتاریوں نے برسوں انہیں ایسا ایسا ستایا کہ ان کے ظلم یاد کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب مسلمان اللہ ہی کے آگے پھر گڑگڑانے لگے کہ اے اللہ! ہمیں اس ظالم قوم سے بچا۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔

اس طرح مسلمانوں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے آپ ایسی ایک صورت نکال دی کہ تھوڑے ہی دنوں میں وہی تاتاری جو مسلمانوں کی جان کے دشمن تھے، خود مسلمان ہوئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے پاسباں بن گئے۔"

"پاسباں! پاسباں کے کیا معنی ہیں؟" ہم میں سے کئی لڑکوں نے پوچھا۔ بھائی جان نے بتایا کہ پاسبان کے معنی ہیں "حفاظت کرنے والا"

"واہ وا، اچھا یہ بتائیے کہ یہ تاتاری مسلمان کس طرح ہو گئے؟ یہ تو بڑی انوکھی بات ہے۔"

"ہاں میاں شوکت! انوکھی بات تو ہے ہی، مگر اللہ کے بس میں سب کچھ ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اچھا تو سنو آگے کیا ہوا:

پاسباں مل گئے

انھیں تاتاریوں میں چنگیز خاں کے خاندان کا ایک شہزادہ تھا۔ اس کا نام تھا تغلق تیمور۔ یہ تغلق تیمور خاں چنگیز خاں کا پوتا تھا۔ ایک بار شہزادہ تغلق تیمور خاں شکار کھیلنے کے لیے نکلا! اس نے حکم دیا کہ راستے میں کوئی مسلمان نظر نہ آئے۔ اس کے سپاہیوں نے چاروں طرف ناکہ بندی کر دی مگر ہونے والی بات۔ آگے جنگل میں کچھ مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے، وہ کہیں جا رہے تھے۔ تھک جانے پر جنگل میں رک گئے اور ستانے لگے۔ شہزادہ جنگل میں شکار کھیلنے گیا تو اس نے ان مسلمانوں کو دیکھ لیا۔ مسلمانوں کے لباس سے اس نے پہچانا۔ حکم دیا انہیں پکڑ لاؤ۔ سپاہی دوڑ کر گئے اور سب کو قید کر لائے اور شہزادے کے سامنے پیش کیا۔ ان مسلمانوں میں ایک بزرگ آدمی تھے، ان کا نام شیخ جمال الدین تھا۔ شہزادے نے شیخ سے کہا:

''میرا حکم ہے کہ کوئی مسلمان راستے میں نہ ملے۔ تم کیوں یہاں سامنے آ گئے؟''

''شہزادے صاحب! ہم سب مسافر ہیں۔ ہم اپنے راستے جا رہے تھے۔ تھک گئے تو یہاں ٹھہر گئے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ اس طرف شکار کو تشریف لا رہے ہیں۔''

یہ جواب سنا تو شہزادے نے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لیے ایک بڑی بے تکی بات پوچھی۔ کہنے لگا: او مسلمان بڈھے! یہ بتا کہ میرا یہ کتا اچھا ہے یا تو۔'' اس نے اپنے کتے کی طرف اشارہ کیا، جسے وہ اپنے ہاتھ سے سور کا گوشت کھلا رہا تھا۔

''توبہ! کیسا برا سوال کیا اس نے۔'' میری زبان سے نکلا۔ بھائی جان نے

میری طرف دیکھا۔ کہنے لگے "ظفر میاں! لیکن دیکھو تو، شیخ جمال الدین صاحب نے اس سوال کا جواب کتنا اچھا دیا۔"

"فرمایا کہ اے شہزادے! اگر میں ایمان کی سلامتی کے ساتھ مرا تو میں اچھا اور اگر کافر ہو کر مرا تو پھر آپ کا یہ کتا مجھ سے اچھا۔"

"واہ وا! شیخ نے کیسا عمدہ اور جچا تلا جواب دیا۔" ہم سب کہنے لگے "سچ مچ ایمان کے بغیر انسان ہی کیا۔ کتے سے بھی بدتر ہے۔ اچھا تو بھائی جان! یہ جواب سن کر شہزادے نے کیا کیا؟

"کرتا کیا؟ وہ سمجھا ہی نہیں کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ مگر اللہ کی قدرت اس کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو بچانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں کچھ نرمی پیدا کر دی۔ شہزادہ جواب تو نہ سمجھ سکا مگر لفظ "ایمان" پر ذرا جھجکا۔ حکم دیا کہ اس بوڑھے کو ہمارے خیمے میں لاؤ اور یہ حکم دے کر وہ اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اس کے پیچھے شیخ جمال الدین بھی خیمے میں داخل ہوئے۔ خیمے کے دروازے پر تاتاری سپاہی ننگی تلوار لے کر پہرہ دینے لگے۔ اب شہزادے نے شیخ سے پوچھا: "تم نے کس چیز کا نام لیا تھا۔ وہ کیا چیز ہے جو انسان کو کتے سے بہتر بناتی ہے؟" شیخ جمال الدین نے اسے بتایا کہ وہ ہے ایمان اور اسلام۔ ایمان اور اسلام کی بدولت ہی انسان سچ مچ انسان بنتا ہے۔ ایمان کے بغیر تو انسان بھیڑیا ہی بن جاتا ہے۔"

"ایمان کیا ہے، اسلام کیا ہے؟" شہزادے نے پھر سوال کیا۔ شیخ بتانے لگے "ایمان کا مطلب ہے یہ ماننا کہ یہ دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے اس کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ وہ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ وہی اللہ اس دنیا کا مالک اور مولا ہے۔ باقی سب اللہ کے بندے ہیں۔ بندوں کو چاہیے کہ اپنے مالک ہی کو اپنا

مالک مانیں۔

"کیسے؟"

"اس طرح کہ اپنے مالک کے حکموں پر چلیں۔"

"اللہ کے حکم اللہ کے بندوں کو کیسے معلوم ہوں اور یہ کیسے معلوم ہو کہ ان حکموں پر کس طرح عمل کرنا چاہیے؟

" اے شہزادے! اللہ کو ماننے کے ساتھ یہ بات بھی ماننی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں تک اپنی مرضی اپنے رسولوں کے ذریعے پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ کے یہ رسول انسان ہی تھے۔ رسول بڑے سچے اور امانت دار ہوئے۔ رسولوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے یہ رسول ہر زمانے اور ہر ملک میں آئے۔ سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے عرب میں ایک نبی پیدا کیا۔ اللہ کے آخری نبی کا نام حضرت محمد ﷺ ہے۔ اللہ نے اپنے آخری نبیؐ کو اپنی کتاب دی۔ اس کتاب کا نام قرآن ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی بتائی کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور وہ کیا باتیں ہیں جو اسے پسند نہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے اللہ کی مرضی کے مطابق عمل کر کے نمونہ بھی دکھا دیا۔"

"مگر سنیے تو شیخ!" اب شہزادہ تغلق تیمور کا دل موم ہو چکا تھا۔ اس نے پوچھا "یہ بتائیے کہ جو آپ کے اللہ کے حکموں پر چلے، اس کے لیے کیا انعام ہے؟ اور جو نہ چلے، اس کے لیے کیا سزا ہے؟"

"اے شہزادے! جو اللہ کے حکموں پر چلے گا، اللہ اس سے خوش ہوگا اور اسے اپنی جنت میں جگہ دے گا۔ جو اللہ کے حکموں کو نہ مانے گا، اس سے ناخوش ہوگا اور اسے جہنم میں جھونک دے گا۔"

"کب؟" شہزادے کی زبان سے نکلا۔ شیخ نے اسے اسلام کا تیسرا عقیدہ بتایا۔ فرمایا: مسلمان یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ ایک دن یہ ساری دنیا اللہ کے حکم سے تہس نہس ہو جائے گی۔ سارے لوگ مر جائیں گے۔ اس کے حکم سے سب پھر جی اٹھیں گے! اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک نئی دنیا سب کے سامنے آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی سب ایک جگہ اکٹھا کیے جائیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سب سے ان کی زندگی کے کاموں کا حساب لے گا کہ تم سب دنیا میں کیا کر کے آئے ہو؟"

یہ سن کر شہزادے نے ایک جھرجھری لی۔ کہنے لگا: "یہ ساری باتیں تو بہت اچھی ہیں اور ہر انسان کو یہ باتیں ماننی چاہییں۔ اچھا اب یہ بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟"

"شہزادے صاحب! اسلام کے معنی ہیں اللہ کی تابع داری۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جو حکم دے اسے اس طرح کرنا چاہیے جس طرح پیارے نبی ﷺ نے بتایا، سکھایا اور کر کے دکھایا۔"

"بے شک بے شک، یہی ہونا چاہیے۔ انسان جس بات کو مانے اس پر عمل بھی کرے۔ بہت اچھی بات ہے یہ۔ میں آپ سے بہت خوش ہوا۔ لیکن دیکھیے، میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ابھی تو میں شہزادہ ہوں جب آپ یہ سنیں کہ میں بادشاہ ہو گیا ہوں تو میرے پاس آیئے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت ضرور مسلمان ہو جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر شہزادہ تغلق نے شیخ جمال الدین کو رخصت کیا اور ان کے ساتھیوں کو بھی چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

شہزادے کا مسلمان ہونا

شیخ شہزادے سے رخصت ہو کر گھر آئے۔ گھر پہنچ کر کچھ دنوں کے بعد بیمار ہوئے، ان کی بیماری بڑھتی گئی۔ بہت علاج کیا مگر مرض بڑھتا گیا۔ جب شیخ کو یقین ہو گیا کہ اب موت کا وقت آ پہنچا؛ تو اپنے بیٹے کو بلایا۔ بیٹا بھی بہت بڑا عالم تھا۔ نام تھا مولانا ارشد الدین شیخ۔ شیخ جمال الدین نے مولانا ارشد الدین سے شہزادے کی ملاقات کا سارا حال بیان کیا؛ پھر کہا کہ دیکھو، میرے مرنے کے بعد جب شہزادہ بادشاہ ہو جائے تو تم اس کے پاس جانا، اس سے میرا سلام کہنا اور اس کا وعدہ اسے یاد دلانا۔'' یہ کہنے کے بعد دو تین دن کے اندر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

''یعنی کیا مطلب ؟ مر گئے وہ؟'' رشاد نے بھائی جان سے پوچھا۔ بھائی جان نے بتایا، ہاں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ (ہم سب اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر ہم سب جانے والے ہیں) اچھا، اب سنو، تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ تاتاریوں کے بادشاہ کا بھی انتقال ہو گیا اور شہزادہ تغلق تیمور خاں بادشاہ بنایا گیا۔ مولانا ارشد الدین نے یہ خبر سنی تو جھٹ چل دیے۔ اس کی راجدھانی میں پہنچے لیکن کوئی صورت ایسی نہ نکل سکی کہ دربار میں پہنچتے۔ بے چارے کئی دن تک ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے۔ ایک دن دیکھا کہ تیمور تغلق شاہ شہر سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ تھوڑی سی فوج بھی تھی۔ وہ شکار کے لیے جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مولانا کی سمجھ میں ایک تدبیر آئی۔ انہوں نے سامنے دور ہٹ کر اذان شروع کر دی۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ..........

اذان کی آواز تغلق تیمور شاہ نے سنی۔ حکم دیا کہ اس آدمی کو میرے سامنے حاضر کرو۔ سپاہی دوڑے ہوئے گئے اور مولانا ارشد الدین کو لے کر حاضر ہوئے۔ مولانا کو تغلق تیمور شاہ کے آگے پیش کیا۔

"تم کون ہو اور ابھی کیا چلا رہے تھے؟" تغلق تیمور شاہ نے پوچھا:

"میں شیخ جمال الدین کا بیٹا ہوں۔"

"کون شیخ جمال الدین؟"

"حضور! یاد کیجیے، جب آپ شہزادے تھے تو جنگل میں ایک بزرگ سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی۔ آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ تم اچھے یا میرا کتا؟ انہوں نے جواب دیا تھا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان کے ساتھ ہو جائے تو میں اچھا، ورنہ یہ کتا۔"

"ہاں ہاں، یاد آیا۔ تو آپ انہی کے صاحبزادے ہیں؟"

"جی ہاں، میں انہی کا بیٹا ہوں۔ میرا نام ارشد الدین ہے۔"

"اچھا تو فرمایئے۔ آپ کے والد صاحب خیریت سے ہیں؟"

"اے بادشاہ! ان کا انتقال ہو گیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جب وہ مرے تو ان کا ایمان سلامت رہا۔ والد صاحب نے اپنی موت سے پہلے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں آپ کے پاس پہنچ کر آپ کو وہ وعدہ یاد دلاؤں جو آپ نے اُن سے کیا تھا۔"

"ہاں مجھے یاد ہے، اچھا میرے ساتھ آیئے۔" یہ کہہ کر تغلق تیمور شاہ اسی جگہ سے پلٹ پڑا۔ راجد اھانی واپس آیا۔ اپنے محل میں گیا اور وہیں مولانا ارشد الدین کو بلا لیا۔ اپنے پاس بٹھایا اور بولا "جب سے میں بادشاہ ہوا ہوں، اسی وقت سے آپ کے والد صاحب کا انتظار کر رہا ہوں۔ اب آپ آگئے بتایئے میں مسلمان ہونے کے لیے کیا کروں؟"

”کرنا کیا ہے، بس نہاڈالیے۔پاک ہو جائیے پھر پڑھیے کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

تغلق تیمور شاہ اٹھا۔اس نے جا کر غسل کیا پاک صاف کپڑے پہنے اس کے بعد کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

”واہ وا، بھئی خوب۔“ہم سب خوش ہو کر بول اٹھے۔ بڑا اچھا ہوا وہ مسلمان ہو گیا اللہ کی بڑی مہربانی تھی اس پر۔“

بھائی جان نے ہم سب کی سنی پھر بولے ”ہاں بھائی! یہ سب اللہ کی توفیق ہے، اس کی مہربانی ہے اور اسی کا فضل ہے۔“

”تو بھائی جان! کہانی ختم ہو گئی نا! اب بتایئے شعر کا مطلب“ شوکت نے کہانی سنتے سنتے کہا۔

”ابھی کہانی کہاں ختم ہوئی۔ابھی تو آدھی سے زیادہ باقی ہے۔ کہانی کا مزے دار حصہ تو اب آگے آتا ہے۔وہ بھی سن لو پھر شعر کا مطلب سمجھنا۔“

ارے وا! اس سے بھی مزے دار! ہم سب بھائی جان کی طرف دیکھنے لگے۔

بھائی جان نے آگے کہانی سنانی شروع کر دی:

اب بڑا وزیر

''اچھا بھائی! تغلق تیمور شاہ مسلمان ہو گیا۔ لیکن اس کی رعایا، درباری اور فوج کے سپاہی تو سارے کے سارے کافر ہی تھے۔ تغلق تیمور شاہ مسلمان ہو کر چپکا بیٹھ نہیں رہا، بلکہ دوسروں کو بھی مسلمان بنانے اور اسلام کو پھیلانے کی تدبیر سوچنے لگا۔ اس نے مولانا ارشد الدین سے مشورہ کیا۔ آپس میں سوچ سمجھ کر محل میں بڑے وزیر کو بلا بھیجا۔ وزیر آیا۔ سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ تغلق تیمور شاہ نے سارا حال کہہ سنایا۔ جب وزیر کو یہ معلوم ہوا کہ تغلق تیمور شاہ مسلمان ہو گیا ہے تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اسے خوش دیکھ کر تیمور شاہ نے کہا تو پھر آپ بھی مسلمان ہو جایئے!''

''حضور! میں تو بارہ برس پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہوں'' وزیر نے کہا۔

''ارے وا! بھائی جان! وہ پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا؟''

''ہاں بھئی! اللہ کی قدرت ہے جس طرح تم سب کو تعجب ہو رہا ہے، اسی طرح تغلق تیمور شاہ اور مولانا ارشد الدین کو بھی بڑا اچنبھا ہوا۔ تیمور شاہ نے وزیر سے کہا: ''جب آپ مسلمان ہو گئے تھے تو آپ نے بتایا کیوں نہیں؟''

''حضور! بتاتا کیسے؟ ڈرتا تھا کہ کہیں بادشاہ قتل نہ کر دے۔ پوری تاتاری قوم مسلمانوں کی جان کی دشمن ہو رہی تھی۔''

''اچھا تو ذرا بتایئے کہ آپ کس طرح مسلمان ہوئے؟''

''سنیے حضور! بڑی نصیحت والی بات ہے۔ پندرہ برس ہوئے کہ سمرقند اور بخارا کے کچھ مسلمان قید ہو کر راجدھانی لائے گئے۔ اس وقت میں جیل کا داروغہ تھا۔ قیدی میرے سپرد کیے گئے۔ مجھ کو حکم دیا گیا کہ جس طرح بنے ان مسلمانوں کو تاتاری

قوم کا تابع دار بنایا جائے جب تک تابع داری کا اقرار نہ کریں، اس وقت تک انہیں دکھ پر دکھ دیا جائے۔ خوب ستایا جائے، انہیں بھوکا رکھا جائے۔ کوڑوں سے پیٹا جائے۔ بھاری زنجیروں میں جکڑ کر اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا جائے اور جب کسی طرح نہ مانیں تو قتل کر دیا جائے۔ ان کی لاشیں جنگل میں پھنکوادی جائیں۔ حضور! میں آپ سے کیا چھپاؤں، میں نے ان مسلمان قیدیوں کو جی بھر کے ستایا۔ میں بھی ان سے بہت جلتا تھا۔ یہ مسلمان تھے تو قیدی مگر ہم لوگوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ راتوں کو نمازیں پڑھتے، اپنے اللہ کے آگے گڑگڑاتے لیکن دن کو جب میں اپنے سامنے بلاتا اور ان سے کہتا کہ ہمارے بادشاہ کی تابع داری کا اقرار کرو تو اکڑ کر جواب دیتے "ہم تو بس اللہ کے تابع دار ہیں۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ مسلمان اللہ کے سوا کسی کا تابع دار نہیں ہوتا۔ اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا۔"

یہ سن کر میں بہت خفا ہوتا۔ سپاہیوں کو حکم دیتا کہ پیٹو ان کو۔ میرے سپاہی ان پر کوڑے برساتے۔ کوڑوں کی مار سے وہ لہو لہان ہو جاتے تو میں ان کے زخموں پر نمک چھڑکواتا۔

"اُف اللہ! بھائی جان! پھر تو ان بے چاروں کو بڑی تکلیف ہوتی رہی ہوگی۔"

"ہاں بھائی! اللہ بچائے ظالموں سے۔" بھائی جان نے رشاد کی طرف دیکھ کر کہا۔ سنے جاؤ قصہ۔ وزیر نے بتایا کہ ادھر میں ان پر یہ ظلم کرتا، اُدھر ایک دن ایک حادثہ پیش آ گیا۔

"حادثہ؟" میں نے بھائی جان سے پوچھا "حادثہ کے معنی؟" بھائی جان نے بتایا کہ حادثہ ایسی اچانک آ جانے والی مصیبت کو کہتے ہیں جو کسی کے خیال میں نہ ہو اور اس سے کسی کے مال یا کسی کی جان کو نقصان پہنچ جائے۔ اچھا تو وزیر نے بتایا کہ ایک دن

میرا چھوٹا بچہ کھیلتے کھیلتے کنویں پر پہنچ گیا۔ اس کا بچپن تو تھا ہی۔ وہ کنویں کے اندر جھانکنے لگا اور پھر اسی میں جا گرا۔ اس وقت یہ مسلمان قیدی کھانا کھا رہے تھے۔ ان سب کا داہنا ہاتھ کھانا کھاتے وقت کھول دیا جاتا تھا۔ انہوں نے دیکھ لیا۔ بس اسی طرح پاؤں میں بیڑیاں پہنے اور بائیں ہاتھ بندھے ہوئے دوڑ پڑے۔ ان سب کا داہنا ہاتھ آزاد تھا۔ وہ سب کنویں پر پہنچے پھر ان کا ایک قیدی کنویں میں اتر گیا۔ باقی شور مچانے لگے۔ دوڑیو! داروغہ صاحب کا بچہ کنویں میں گر گیا۔

یہ شور سن کر لوگ دوڑ پڑے۔ میں دفتر میں بیٹھا تھا۔ میں دفتر سے دوڑا۔ میری بیوی نے محل میں خبر سنی۔ وہاں سے بدحواس ہو کر بھاگی۔ ہم سب کنویں پر پہنچے۔ قیدی کہیں سے رسی بھی اٹھا لائے تھے لیکن ایک ہاتھ سے وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ بے چارے اپنی جیسی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے سنا۔ وہ مسلمان قیدی اپنے اللہ سے دعا کر رہے تھے؛ کہہ رہے تھے: ”اے اللہ! اس معصوم بچہ پر رحم فرما۔“ اس وقت تو ہم سب اپنے ہوش میں نہ تھے لیکن ہماری کوشش سے جب بچہ اور کنویں میں داخل ہونے والا قیدی باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ بچہ اس کی گود میں تھا۔ اس نے بچے کو گود سے اتارا۔ میرے نوکروں نے بچے کو لیا اور محل میں چلے گئے۔ میں حیران رہ گیا۔ اُف! یہ مسلمان قیدی جن کو میں کیسا کیسا ستاتا ہوں، انہوں نے مجھ پر یہ احسان کیا۔ یہ خیال میرے دل میں آیا۔ میں آگے بڑھا میں نے اس سے کہا۔ ”میں تو تمہارا دشمن ہوں تم پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہوں۔ تم کو تو خوش ہونا چاہیے تھا جب میرا بچہ کنویں میں گرا تھا۔“

”نہ نہ، داروغہ صاحب! ہماری لڑائی تو آپ سے ہے۔ یہ تو معصوم بچہ ہے۔ ہمارے رسول ﷺ نے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے

بچوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم یہ کیسے دیکھ سکتے تھے کہ ایک بچہ چاہے وہ دشمن کا ہی کیوں نہ ہو، کنویں میں ڈوب کر مر جائے۔"

حضور! میرے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا۔ میں نے مسلمان قیدیوں سے ان کے رسول ﷺ کے بارے میں دو چار باتیں اور پوچھیں۔ انھوں نے جب پیارے رسول ﷺ کے پیارے حالات بتائے تو میرے دل نے کہا "کیا اچھی تعلیم ہے ان کے رسولؐ کی۔"

اس کے بعد میں نے مسلمان قیدیوں کو ستانا بند کر دیا۔ میں کبھی کبھی ان کے پاس جانے لگا۔ ان سے باتیں کرنے لگا۔ باتوں باتوں میں انہوں نے اسلام کی پوری تعلیم مجھے سمجھادی۔ جس طرح شیخ جمال الدینؒ نے آپ کو سمجھایا تھا، بالکل اسی طرح۔ اسلامی عقیدے میری سمجھ میں آگئے اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن ڈر کے مارے کسی تاتاری پر ظاہر نہیں کیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میں نے بادشاہ کو جھوٹ موٹ لکھ دیا کہ ان مسلمان قیدیوں نے تابع داری قبول کر لی ہے"۔ وہاں سے حکم آیا "تو پھر انہیں چھوڑ دو۔"

میں نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ جب وہ گھر جانے لگے تو میں نے بہت سامال انہیں دیا۔ اس کے بعد میں ترقی کرتے کرتے حضور کے والد صاحب کے زمانے میں وزیر ہو گیا۔ لیکن کسی کو نہیں معلوم کہ میں مسلمان ہوں۔ آج مجھے بڑی خوشی ہے کہ حضور نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ کو اسلام پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

"بھائی جان! وزیر تھا بڑا سمجھ دار۔" شوکت نے کہا۔ بھائی جان نے بتایا کہ وزیر تو سمجھ دار لوگوں کو بنایا ہی جاتا ہے۔"

ایک اور درباری

"اچھا پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ تغلق تیمور شاہ نے اپنے دربار کے ایک بڑے افسر کو بلایا۔ وہ آیا تو اسے سمجھانے لگا۔ اسلامی باتیں اسے بتانے لگا۔ جیسے جیسے تغلق تیمور شاہ اسلامی باتیں بتاتا گیا، افسر کا چہرہ خوشی سے چمکتا گیا۔ آخر میں جب تیمور شاہ نے یہ بتایا کہ وزیر مسلمان ہو چکا ہے اور میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں؛ تو افسر کی زبان سے نکلا "**الحمد للہ**۔"

"ارے بھئی، یہ "**الحمد للہ**" تم نے کیوں پڑھی۔ تم **الحمد للہ** کیا جانو۔"

تیمور شاہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ اس نے بتایا "حضور! میں تو دس برس سے پوشیدہ طور پر مسلمان ہوں۔ میں نے بھی اپنی قوم کے ڈر سے اپنا مسلمان ہونا چھپایا، جس طرح وزیر صاحب نے پوشیدہ رکھا۔

"تم کس طرح مسلمان ہوئے؟" افسر سے پوچھا گیا۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کا قصہ اس طرح سنانے لگا:

"حضور! دس برس پہلے میں ایک علاقے کا حاکم تھا۔ اسی زمانے میں ایک بار قراقرم کے کچھ مسلمان قید ہو کر میرے یہاں بھیجے گئے۔ اس وقت ہلاکو خاں ہمارا بادشاہ تھا۔"

"یہ ہلاکو خاں کون؟" رشاد میاں نے بھائی جان سے پوچھا۔ بھائی جان نے بتایا کہ ہلاکو خاں چنگیز خاں کا بیٹا تھا اور یہ بھی بڑا ہی ظالم تھا۔" یہ بتانے کے بعد بھائی جان نے کہا کہ وہ افسر اپنے مسلمان ہونے کا قصہ اس طرح بیان کر رہا تھا کہ قراقرم

کے کچھ مسلمان قید ہو کر میرے یہاں آئے۔ ان میں قریب قریب سب عالم تھے۔ یہ عالم، دن میں وہ سارے انتھک کام کرتے تھے، جو میں ہلاکو خاں کے حکم سے ان سے لیتا تھا اور راتوں میں عبادت کرتے تھے۔ میں نے ان کو اس قید خانے میں بند کر رکھا تھا، جس میں کئی بڑے بد معاش قید تھے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد میں نے دیکھا کہ ان بد معاشوں کی عادتیں بدلنے لگیں۔ وہ بڑے بد زبان تھے، دن رات گالیاں بکتے تھے لیکن اب انھوں نے گالیاں بکنی چھوڑ دی تھیں۔ میں دن میں جو کام ان سے لیتا تھا، وہ پورا کر کے نہیں دیتے تھے۔ لیکن اب وہ بڑی محنت سے کام کرنے لگے تھے۔ اس طرح ان میں اچھی عادتیں پیدا ہو رہی تھیں۔

ایک دن میں قید خانے کے معائنے کو گیا تو قراقرم کے یہ مسلمان قیدی جو ہمارے دشمن تھے اور ہم ان کے دشمن۔ ان میں سے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے۔ ”اب ان بے چاروں کو چھوڑ دیجیے۔“ کہتے ہوئے ان بد معاشوں کی طرف اشارہ کیا۔

”واہ وا، آپ کے کہنے سے کیوں چھوڑ دوں۔ کیا آپ میرے حاکم ہیں؟“ میرے اس تیکھے جواب پر وہی صاحب کہنے لگے کہ حاکم تو ہمارا اور تمہارا اللہ ہے۔ میں تو اس لیے کہتا ہوں کہ اب یہ لوگ بُری عادتیں چھوڑ چکے ہیں اور اب اچھی زندگی بسر کریں گے۔“

”آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟“

”ہمیں اس طرح معلوم ہوا کہ اب یہ راتوں کو اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرتے ہیں۔“

یہ سن کر میں نے ایک بد معاش کو بلایا۔ وہ میرے سامنے آیا۔ اس نے ادب

سے سلام کیا اور بولا "کیا حکم ہے؟"

"کیا تم اقرار کرتے ہو کہ اگر تم کو چھوڑ دیا جائے تو تم اچھی زندگی بسر کرو گے۔"

"میں کوشش کروں گا۔ توفیق دینے والا اللہ ہے۔"

معلوم نہیں کیوں اس پر ترس آ گیا۔ میں نے اسے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ وہ قید خانے سے رہا کر دیا گیا۔ لیکن میں نے دو تین جاسوس مقرر کر دیے کہ ہر مہینے اس کے بارے میں رپورٹ دیں۔ جاسوسوں نے اس کے بارے میں بڑی اچھی رپورٹ دی اور بتایا کہ اب اس شخص نے پھلوں کا کاروبار کر لیا ہے اور بڑی ایمان داری کے ساتھ سودا بیچتا ہے۔

یہ رپورٹ پا کر میں نے دوسرے بد معاشوں سے بھی وعدہ لیا اور ان سب کو چھوڑ دیا۔ یہ سب اپنے اپنے گھر گئے۔ انکے بارے میں جاسوسوں نے رپورٹ دی کہ ان کے رہا کر دینے سے ان کے علاقے کے بد معاشوں پر بڑا اچھا اثر پڑا ہے اور اب اس علاقے میں چوری، ڈکیتی، جوا اور اس طرح کے دوسرے بُرے کام کم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ معلوم کر کے میرے دل میں یہ کھوج پیدا ہوئی کہ آخر یہ بد معاش نیک معاش کیسے ہو گئے؟ میں نے بار بار سوچا۔ میری سمجھ میں آیا کہ ہو نہ ہو ان مسلمان مولویوں نے شاید کوئی اچھی بات انہیں بتا دی ہے۔

ایک دن میں نے مسلمان قیدیوں میں سے مولوی فرید سے پوچھا کہ تم نے انھیں کیا نصیحت کی؟ مولوی فرید نے بتایا کہ ہم نے انہیں سمجھایا "دیکھو، تم سب جوان ہو، طاقت ور ہو، اگر چاہو تو جس اللہ نے تم کو یہ طاقت دی ہے، اس کی خوشی کے کام کر کے اچھی کمائی کر سکتے ہو۔ پھر جب مرنے کے بعد اس کے سامنے جاؤ گے تو وہ تم

سے خوش ہو جائے گا اور جنت میں جگہ دے گا۔ لیکن اگر بُرے کام کرو گے تو یہیں قید خانے میں مرو گے پھر جب اپنے اللہ کے سامنے جاؤ گے تو وہ تم سے ناخوش ہو گا، پھر تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ دو دن کی زندگانی ہے۔ ابھی موقع ہے توبہ کر لو۔ اللہ کا شکر ہے ہماری نصیحت سے وہ سنبھل گئے اور ان سب نے توبہ کر لی۔"

شیخ فرید کی باتیں میں نے سنیں۔ میں یہ باتیں بھول نہ سکا۔ ان پر غور کرتا رہا۔ دل میں کہا کہ کسی انسان کے نیک بننے کے لیے شیخ فرید کی نصیحت بہت اچھی ہے۔

اب سنیے۔ کچھ ہی دن اور گزرے تھے کہ ہلاکو خاں نے حکم بھیجا کہ قراقرم کے قیدیوں میں ایک مسلمان عالم ہے۔ اس کا نام شیخ فرید ہے، اسے قتل کر دو اور اس کی لاش جنگل میں پھنکوا دو۔ یہ حکم میں نے شیخ فرید کو سنایا اور کہا کہ تمہارے دل میں جو ارمان ہو، بتاؤ تاکہ موت سے پہلے تمہارا ارمان پورا کیا جائے۔ میں پرسوں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

قتل کا حکم سن کر شیخ فرید نے کچھ سوچا "ہاں ایک ارمان، نہیں نہیں، ایک ذمے داری میرے سر پر ہے۔ اگر آپ چوبیس گھنٹے کے لیے مجھے رہا کر دیں تو میں اس ذمے داری کو پورا کر لوں۔

"کیا ہے وہ ذمے داری؟" میں نے شیخ سے پوچھا۔ بتایا کہ ایک یتیم بچے کے باپ نے دو سو اشرفیاں مجھے دی تھیں کہ جب میرا بچہ جوان ہو جائے تو اسے دے دینا۔ یہ اشرفیاں میں نے ایک درخت کے نیچے زمین میں دفن کر دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ امانت اس بچے کو دے دوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں پرسوں صبح خود حاضر ہو جاؤں گا۔"

شیخ سے یہ سن کر میں سوچنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس بہانے شیخ بھاگنا

چاہتا ہو۔ پھر میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ’’دیکھنا چاہیے کہ شیخ کتنے پانی میں ہے۔ آخر بھاگ کر جائے گا کہاں، میں نے چوبیس گھنٹے کے لیے چھوڑ دیا اور ایک درجن جاسوس پیچھے لگا دیے۔

حضور والا! میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ شیخ اپنے وعدے کے مطابق صبح کو آگیا‘‘ میرے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا۔ میں نے پوچھا: ’’شیخ تم رہا ہو چکے تھے۔ آزاد ہو چکے تھے۔ کہیں بھاگ جاتے۔‘‘ شیخ نے جواب دیا۔ ’’میں کیسے بھاگ جاتا۔ آپ سے وعدہ کر چکا ہوں۔ ہمارے رسول ﷺ نے وعدہ پورا کرنے کی بڑی سخت تاکید فرمائی ہے۔

یہ جواب سن کر میں سوچنے لگا کہ جس رسول کی تعلیم سے لوگ اتنے اچھے انسان ہو سکتے ہیں، اس کی تعلیم ضرور برحق ہے۔ ایسے اچھے انسانوں کو مار ڈالنا اچھا نہیں۔ یہ سوچ کر میں نے نبی ﷺ کے بارے میں بہت سی باتیں پوچھیں۔ شیخ فرید نے بڑی تفصیل کے ساتھ حضورؐ کے حالات بیان کیے۔ آپ کی تعلیم سمجھائی، اسلامی عقیدے بتائے۔ میرے دل میں ساری باتیں بیٹھ گئیں۔ میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ میں نے شیخ فرید کو رہا کر دیا اور ہلاکو خاں کو لکھ دیا کہ حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد دوسرے عالموں کے لیے بھی یہی حکم آیا اور میں نے انہیں بھی چھوڑ دیا اور پھر وہی لکھ بھیجا کہ سب کو جنگل میں لے جا کر قتل کر دیا گیا اور ان کی لاشیں چیل کوّوں کو کھلا دیں۔

حضور! اس کے بعد میں پوشیدہ طور پر مسلمان رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میرا مسلمان ہونا تاتاریوں کو معلوم ہو گیا تو میں ضرور قتل کر دیا جاؤں گا۔ آج میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمارے بادشاہ کو مسلمان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ

کے ایمان میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔"

اس افسر کے مسلمان ہونے کی پوری بات سن کر تغلق تیمور شاہ بہت خوش ہوا۔اس کے بعد تغلق تیمور شاہ اپنے محل ہی میں اپنے ایک ایک درباری کو بلاتا گیا۔ ہر ایک کو سمجھاتا گیا۔اللہ کی قدرت جو درباری آیا، وہ مسلمان ہو گیا۔اب تغلق تیمور شاہ کی ہمت بڑھ گئی۔ دوسرے دن اس نے دربار عام کیا۔ راجدھانی کے اثر دار لوگوں کو بلایا۔ سب کو عزت کے ساتھ بٹھایا۔ سب کے سامنے اسلامی عقیدے رکھے۔ شیخ ارشد الدین نے سب کے سامنے بڑی عمدہ تقریر فرمائی۔ اسی وقت دو لاکھ تاتاری مسلمان ہو گئے۔

امیر جراس

راجدھانی کے لوگ مسلمان ہو گئے تو اب تغلق تیمور شاہ نے چاہا کہ اس کے ملک کے سارے لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اس نے بڑے وزیر اور مولانا ارشدالدین سے مشورہ کیا۔ اپنے دربار کے دوسرے لوگوں سے بھی رائے لی۔ اچھی طرح سوچنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ ملک میں جو چھوٹے بڑے حاکم ہیں اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو سارے لوگ مسلمان ہوجائیں گے۔ تو اب ہونا یہ چاہیے کہ تمام چھوٹے بڑے حاکموں کو راجدھانی میں بلایا جائے۔ انہیں سمجھایا جائے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی مسلمان کر دے گا۔

یہی رائے تغلق تیمور شاہ کی بھی تھی۔ اس نے اپنے ملک کے سارے حاکموں، نوابوں اور بزرگوں کو بلایا۔ انہیں سمجھایا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے سارے حاکم اور نواب مسلمان ہو گئے لیکن امیر جراس اکڑ گیا۔ اس نے مسلمان ہونے کے لیے ایک شرط لگائی۔ اس نے کہا کہ میرے علاقے میں ایک پہلوان ہے "سا تغنی بقا" اس کا نام ہے۔ اگر مولانا ارشد الدین اس سے کشتی لڑیں اور اس سے جیت جائیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

"بھائی جان! ذرا ٹھیریئے تو۔ یہ کیسی بات کہی امیر جراس نے۔ اگر کوئی مسلمان کشتی میں کسی غیر مسلم سے ہار جائے تو کیا ہمارا سچّا دین اسلام سچّا نہ رہے گا؟"

"ہاں میاں رشاد! یہی بات امیر جراس سے کہی گئی۔ امیر جراس کو بہت سمجھایا گیا کہ یہ شرط غلط ہے لیکن وہ پھر بھی نہ مانا۔ وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ اچانک مولانا ارشد الدین کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا "میں امیر جراس کے پہلوان سے کشتی لڑنے کو تیار ہوں۔ تغلق تیمور شاہ اور اس کے درباریوں کو بڑا تعجب ہوا سب نے مولانا کو منع کیا اور کہا کہ پہلوان "سا تغنی بقا" بڑا اُجڈ ہے۔ وہ اتنا بڑا پہلوان ہے کہ آج تک اس سے

کوئی جیت نہ سکا۔ جو بھی اس سے کشتی لڑا وہ ہارا۔ کئی پہلوانوں کو تو اس نے اس بری طرح اٹھا کر پٹخا کہ وہ مر گئے۔ ہم ہر گز آپ کو اس سے نہ لڑنے دیں گے۔"

اس طرح سب نے مولانا کو سمجھایا لیکن مولانا بھی اپنی بات پر اڑ گئے۔ سب کی بات کا جواب اس طرح دیا:

"ہار اور جیت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ کم زور لوگوں کو اللہ نے طاقت ور پر فتح دی اور کم لوگوں نے زیادہ لوگوں کو ہرا دیا۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ میری مدد کے لیے فرشتے بھیج دے اور میں پہلوان کو ہرا دوں۔ اگر ایسا ہو گیا تو امیر جراس بھی مسلمان ہو جائے گا اور پھر قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا۔ امیر جراس کو اللہ کے عذاب اور جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے میں اس وقت تک کوشش کروں گا جب تک میری سانس چل رہی ہے۔ مجبور ہو کر تغلق تیمور نے حکم دیا کہ پہلوان "سا تغنی بقا" کو بلایا جائے امیر جراس نے پہلوان کو بلا بھیجا۔ پہلوان "سا تغنی بقا" جس وقت دربار میں آیا تو لوگ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ وہ بڑا تگڑا اور توانا آدمی تھا۔ ارے بھائی وہ تو اتنا لمبا تڑنگا تھا کہ دیو معلوم ہوتا تھا۔ مولانا ارشد الدین اس کے سامنے بچہ لگ رہے تھے۔

اب بھرے دربار میں مولانا پہلوان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ پہلوان نے غصے میں آکر مولانا کی کمر کو پکڑا اور اٹھا کر چاہا کہ پٹخ دے۔ ٹھیک اسی وقت مولانا نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ "اللہ اکبر" اور اس کے پنجے سے آزاد ہونے کے لیے تڑپے تو اب اللہ کی قدرت دیکھیے۔ مولانا کا سر بڑے زور سے پہلوان کی ناک سے ٹکرایا اور ٹکرانے کے ساتھ ہی خون کا فوارہ اس کی ناک سے پھوٹ پڑا۔ اس نے گھبرا کر مولانا کو چھوڑ دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہو گیا وہ بے ہوش ہو گیا اور پھر ہوش میں نہ آیا۔"

"کیا مطلب بھائی جان! وہ مر گیا؟"

ہاں وہ مر گیا۔

"پھر تو امیر جراس بھی مسلمان ہو گیا ہو گا؟"

"ہاں! وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے مسلمان ہونے سے سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ پھر جب امیر جراس اپنے علاقے میں گیا تو یہی واقعہ بیان کر کے اس نے اپنی رعایا سے کہا کہ سچ مچ اسلام سچّا دین ہے" تمام رعایا بھی مسلمان ہو گئی۔ اس طرح تغلق تیمور شاہ کے ملک میں کچھ دنوں کے اندر اسلام پھیل گیا۔

"واہ وا، واہ وا" ہم سب کہنے لگے۔ "اللہ اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اس طرح اللہ نے تاتاریوں کو مسلمان کر کے ان کے ذریعے اسلام پھیلایا اور اس طرح وہ کہانی یا تلمیح ختم ہوئی جو اس شعر میں ہے۔

بھائی جان نے کہانی ختم کر دی۔ ہم نے کہا "بہت اچھی رہی یہ کہانی۔"

"کہانی تو اچھی رہی۔ شعر کا مطلب بھی سمجھ میں آیا؟

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے............"

"ارے واہ! ہم تو کہانی سننے میں ایسے کھو گئے کہ شعر کی طرف دھیان ہی نہ گیا۔ اچھا تو بھائی جان اب شعر کا مطلب سمجھایئے۔"

"اب تو مطلب بالکل صاف ہے۔ فتنۂ تاتار کے معنی تمہاری سمجھ میں آئے؟"

"جی ہاں! یہی نا کہ پہلے جو تابر توڑ ظلم تاتاریوں نے مسلمانوں پر کیے تو ان کے ظلم سے مسلمان ایسے گھبرائے اور پریشان ہوئے کہ انہیں اپنی جان اور اپنا ایمان بچانا مشکل ہو گیا۔"

"شاباش رشاد میاں، شاباش! اچھا افسانے کے معنی؟"

"اونہہ افسانے کے معنی یہی کہانی قصہ۔"

"بالکل ٹھیک محمود میاں! اور عیاں ہے کا مطلب؟"

"یعنی ظاہر ہوتا ہے۔"

"اچھا تو پہلے مصرعے کا مطلب تم ہی کہو شوکت؟"

"بھائی جان! پہلے مصرعے کا مطلب میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ جو مسلمان تاتاریوں کے فتنے اور ظلم میں پھنس گئے تھے اور پھر شیخ جمال الدین اور کچھ سچے مسلمانوں نے انہیں مسلمان کرلیا تو اس پورے قصے سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کیا ظاہر ہوتا ہے بھائی جان؟"

شوکت نے پہلے مصرعے کا مطلب کہتے ہوئے پوچھا۔ بھائی جان نے بتایا "ارے بھئی، پھر وہی تاتاری جب مسلمان ہوگئے تو انہوں نے اسلام پھیلایا یوں کہیے کہ انہوں نے دین اسلام کو پھر سے زندہ کیا۔

"اوں ہوں۔ بھائی جان! یوں نہیں، پہلے پاسبان کے معنی تو سمجھائیے۔" حمید نے پوچھا۔

"پاسبان کے معنی حفاظت کرنے والے۔"

"اور کعبہ اور صنم کیا؟"

"اونہہ، کعبہ کو تم اسلام مان لو اور صنم خانہ کہتے ہیں بت خانے کو۔ بت خانے کو انھیں تاتاریوں کا ملک سمجھ لو جہاں کفر پھیلا تھا۔ مطلب یہ کہ پھر وہی تاتاری جو کافر تھے، مسلمان ہو کر اسلام کی حفاظت کرنے والے بن گئے۔ اسلام پھیلانے لگے۔ اسلام جو کمزور ہو رہا تھا، اسے ترقی دینے والے بن گئے یعنی پاسبان اسلام۔

"بے شک، بے شک!" ہم سب نے ایک ساتھ کہا۔ ہم سب بہت خوش ہوئے۔ بہت دن ہوگئے جب بھائی جان نے اس شعر کا مطلب سمجھایا تھا لیکن آج بھی مجھے اس طرح یاد ہے، جسے کہتے ہیں ذہن نشین ہو جانا۔ دل میں بیٹھ جانا۔